دعوتِ عام میں

اِتمامِ حجّت اور تالیفِ قلب کا قرآنی اسلوبِ خاص

محترمی محمد عبدالملک صاحب کا مدینہ منورہ سے ایک گرامی نامہ موصول ہوا ، جس میں موصوف نے توحید و آخرت پر انسان کی موجودہ سائنسی ترقی کو اتمامِ حجّت قرار دیا ہے اور اس مسئلہ میں خاکسار کو مخاطب کر کے سوال فرمایا ہے کہ کیا یہ بات درست ہے!

عبدالملک صاحب کا استدلال بالکل درست ہے ۔ قرآن کریم نے موجودہ سائنسی ترقیات سے بہت پہلے آفاقی دلائل کے ساتھ انفسی دلائل (انسانی وجود) کو بھی اس کائنات کے خالق و مالک اور حاکمِ حقیقی کی وحدانیت پر حجّتِ ناطقہ کے طور پہ پیش کیا ہے ۔ چنانچہ سورۃ الذاریات (۲۰ و ۲۱) میں فرمایا :

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝

سورۃ القیامہ (۱۴ و ۱۵) میں فرمایا :

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝

اس آیت پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کا دو لفظی حاشیہ یہ ہے

" یعنی اپنے احوال میں غور کرے تو رب کی وحدانیت جانے اور رجوع کرے

میری سمجھ میں نہیں آتا ' یہ بہانے ہیں ۔"

بعض مفسّرین نے اس آیت کا تعلق قیامت کے حالات سے قائم کر کے اس کے مفہوم کو محدود کر دیا ہے ۔ شاہ صاحب اس میں عموم پیدا کر رہے ہیں ۔

خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی وحدانیت تسلیم کرنے کے بعد خدا کی آخری شریعت (اسلام) کو زندگی کا واحد نظامِ حق ماننے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی ۔ خدا تعالیٰ ہی حاکم

© rasailojaraid.com

ہے، حکم دینے کا حق اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں ـــــ اور یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ احکامِ الٰہی کا مستند اور ہر قسم کے شک و شبہ سے محفوظ مجموعہ قرآن حکیم ہے، جس کی تشریح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال ہیں۔

لیکن دینِ برحق کی اتمامِ حجّت کے لیے قرآن کریم نے شہادت علی الناس اور تمام ضروری شرائط کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بھی پوری اہمیت کے ساتھ امّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کو توجّہ دلائی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط

یہ آیت (۱۴۳) سورۃ البقرۃ کی ہے، جس میں مسلمانوں کو اعتدال پسند جماعت کے عنوان سے بہترین جماعت قرار دے کر اس پر دینِ حق کی مکمل گواہی (قولی اور عملی) ضروری قرار دی گئی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط

یہ آیت (۱۱۰) سورہ آل عمران کی ہے، جس میں سیدھی تعبیر میں مسلمانوں کو خیرِ امت قرار دے کر اس کی ذمہ داری میں امر بالمعروف کو شامل کیا گیا ہے۔

یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں، جب مسلمان دعوتِ حق کے پورے وسائل حاصل کر چکے تھے اور سیاسی قوّت ان کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ مکّہ معظمہ کی زندگی اس قوت سے خالی تھی۔ اس لئے مکّی زندگی کے تیرہ سالوں میں صرف تکبیرِ ربّ (خدا کی کبریائی کا اعلان) کرنا مسلمانوں کی ذمّہ داری تھی، جس میں اجتماعی طور پر دعوتِ حق کا تصوّر نہیں تھا، انفرادی طور پر ہر مسلمان مرد و عورت قریش کے ظلم و قہر کی گرفت سے بچ کر جس قدر خدا کی کبریائی اور وحدت کا اقرار و اعلان کر سکتا تھا وہ اس کے ذمّہ ضروری تھا۔

دعوتِ دین کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب "دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار" اس خاکسار کے خیال میں ایک منفرد کتاب ہے اور اس لائق ہی نہیں بلکہ ضروری درجہ میں اس کا مطالعہ مسلمانوں کے خواص اور عوام دونوں پر لازم ہو جانا چاہیئے۔ مولانا نے لکھا ہے:

d.com

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے اب دنیا پر اتمامِ حجت کا فرض اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ڈالا ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی صورت یہ ہے کہ مسلمان دعوت و تبلیغ کا نظام قائم کریں۔ جو ایک طرف دنیا کو نیکی اور بھلائی کے راستہ کی دعوت دے اور دوسری طرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ سے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔

خلافت کا نظام قائم نہ رہنے کی وجہ سے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی پوری نہیں ہو رہی ہے بلکہ عملاً ساری دنیا ایک باطل نظام کی گرفت میں آچکی ہے اور باطل ایسی قوت و شوکت کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے کہ حق کے لیے موجودہ نظام زندگی میں کوئی جگہ ہی سرے سے باقی نہیں ہے۔" (۱۷۹)

مولانا اصلاحی صاحب نے تبلیغ و دعوت کی جس اسلامی صورت اور اسلامی طریقۂ کار کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں غیر مسلم طبقہ کے لیے تالیفِ قلب اور تلطیفِ قلب بھی شامل ہے اور قرآن کریم پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے دعوتِ عام کا جو اسلوب اختیار کیا ہے اس میں اس کی کتنی رعایت رکھی گئی ہے۔

اسلام تبلیغی مذہب ہے اور یہ اپنی اشاعت و توسیع کے لیے انسانی دلوں اور ذہنوں کو آواز دیتا ہے۔ نرمی اور محبت کے انداز میں اور حکمت و موعظت کے اسلوب میں انسانی قلوب کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ہادیٔ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت و موعظت کے قرآنی حکم کی تعمیل میں بنی اسماعیل اور بنی اسحاق، حجاز کے اُمیوں اور مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ کے ساتھ تالیفِ قلب کا جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ آپ کی سیرت پاک کا اہم حصہ ہے اور اس حصہ کو جس مفکرِ اسلام اور امامِ عصر نے اپنی مشہور کتاب 'حجۃ اللہ البالغہ' میں نمایاں اور مدوّن کر کے پیش کیا وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ ہیں۔

حکمتِ دین کے اس اہم باب میں قرآن کریم کے نظم و عبارت کا وہ اسلوب خاص بھی بڑا فکر انگیز ہے جو حضرتِ حق نے اپنے بندوں کو اپنے کلام کی طرف متوجہ کرنے اور کتابِ ہدایت کے لیے اپنے دلوں کے دریچے کھولنے کی خاطر اختیار کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا

© rasailojaraid.com

ہے کہ قرآن حکیم کے اعجاز کا یہ کمال ہے کہ قرآن اپنے خاص اسلوب کے سہارے وہ اہم حقائق بیان کر دیتا ہے جس کی تشریح کے لیے طویل سے طویل عبارتیں بھی ناکافی نظر آتی ہیں۔

ہمارے ہندوستانی علماء قدیم میں ایک طبقہ ایسا ہے جو دعوتِ عام اور انسانی ہدایت کے مقابلہ میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ ان کے نظامِ تبلیغ و اصلاح میں دعوتِ عام کی کوئی اہمیت نظر آتی نہیں آتی۔ یہ حضرات نہایت اخلاص کے ساتھ یہ فرماتے ہیں کہ پہلے اپنے گھر کی اصلاح کرو، اگر تمہارا اپنا گھر ہی بگڑا رہے گا تو تم باہر کیا اصلاح کرسکو گے۔ یہ بات ایک حد تک درست معلوم ہوتی ہے، لیکن شریعت کے اصولِ دعوت میں ایسی کوئی ہدایت نظر نہیں آتی کہ جب تک مسلمان اپنی اصلاحِ حال نہ کرلیں اس وقت تک خدا کے عام بندوں کو توحید و رسالت کی دعوت نہ دیں اور اس وقت تک ان کے ذمہ سے دعوتِ عام کا فریضہ ساقط رہتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ ضرور فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ : ۴۴)

کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، درآنحالیکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! کیا تمہیں سمجھ نہیں ہے؟

یہ خطاب یہود کے بے عمل علماء کو ہے جو اپنے عوام کو نیکیوں کی ترغیب دیتے، وعظ و نصیحت کرتے اور خود بے عمل زندگی گزارتے۔ علماء اسلام نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ عالم بے عمل کے لیے بھی امر بالمعروف واجب ہے! اگرچہ یہ بات بہت بری اور قابلِ مذمت ہے کہ ایک عالم امر بالمعروف کے ساتھ خود بے عمل رہے۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیر محدثؒ نے ربیعہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ میں نے مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن جبیر سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ جس شخص میں کوئی نیکی بھی نہ ہو وہ امر بالمعروف نہ کرے۔ ایک راوی حضرت مالک نے ربیعہ سے یہ روایت سن کر کہا:

"صَدَقَ، مَنْ ذَا الَّذِیْ لَیْسَ فِیْہِ شَیْءٌ۔؟" (سعید ابن جبیر نے ٹھیک کہا، کون ایسا شخص ہے جس میں کوئی بھی معروف نہ ہو؟) ــــ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: لیکن یہ بات قابلِ مذمت ضرور ہے کہ ایک شخص جس بات کو نیکی سمجھتا ہے وہ خود اس سے دور

d.com

رہے اور جس بات کو برا سمجھتا ہے خود اس کا ارتکاب کرے۔

چنانچہ بے عمل علماء کے بارے میں احادیث کے اندر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک کمزور روایت میں آتا ہے کہ بے عمل عالم کی مثال اس چراغ کی ہے جو دوسروں کو روشنی پہنچاتا ہے مگر خود اس کی ہستی جلتی رہتی ہے۔ معراج کے موقع پر حضور علیہ السلام نے بے عمل علماء اور بے عمل واعظوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی امّت کے بے عمل خطیب ہیں۔ علماءِ اسلام نے فیصلہ کیا ہے کہ خیر کی دعوت ہر حال میں واجب ہے اور بہتر یہ ہے کہ یہ فرض وہ اہلِ علم ادا کریں جو خود بھی نیکیوں سے آراستہ زندگی رکھتے ہوں۔ (ابنِ کثیر جلد اوّل صہ۸۵)

بہر حال یہ طرزِ عمل اہلِ علم کی دینی ذمّہ داری سے کوئی میل نہیں کھاتا کہ خدا کی عام مخلوق کو کفر و معصیت میں آلودہ دیکھ کر انہیں اس طرح قطعی جہنّمی قرار دے دیں کہ ان سے ترکِ تعلق کر لیا جائے اور انہیں خدا کی بدترین مخلوق سمجھ کر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے ـــــ میں نے نہایت ہلکے الفاظ میں کہا ہے کہ "میل نہیں کھاتا" ورنہ قرآن و حدیث کے نصوص میں یہ طرزِ عمل معصیت معلوم ہوتا ہے جس کی آخرت میں جواب دہی ہوگی۔

حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلویؒ اور دورِ آخر کے محدّث و شیخ مولانا محمود حسنؒ نے اس مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی ہے کہ آخرت میں عذابِ جہنم کی دائمی سزا کا فیصلہ اس معاملہ کو دیکھ کر کیا جائے گا کہ ان پر اتمامِ حجّت کے درجہ کی تبلیغ حق کی گئی یا نہیں۔! اس لیے ہر حال میں دعوتِ حق کی ذمہ داری کا فرض رہتا ہے کہ وہ ہر مخاطب گروہ تک ان کی سمجھ بوجھ، ان کی زبان اور رہن سہن کے مطابق توحید و رسالت کی دعوت ان کے کانوں تک پہنچائے۔ اور اگر عملی زندگی کی روشنی بھی تقریر و تحریر کے ساتھ ہو جسے شہادت علی الناس کہا گیا ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہے اور فرض کی مکمل ادائیگی ہے۔

اس تمہیدی گذارش کے بعد اب قرآن کریم کے اس اسلوبِ خاص پر غور کیجئے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف کی ابتدائی آیات یہ ہیں:

الٓمّٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ
لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ

© rasailojaraid.com

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ۝

یہ قرآن خدا کی کتاب ہے جو اے نبیؐ! آپؐ پر نازل کی گئی ہے ـــ پس آپؐ کے سینے میں (مخالفین کی مخالفت سے) کسی قسم کی تنگی (خوف اور اندیشہ) پیدا نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ہوشیار وخبردار کریں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے نصیحت نامہ اور یاد دہانی ہے۔ اے لوگو! تم اس کتاب کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور خدا کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ کارسازوں کے پیچھے نہ چلو۔ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو!

نزولِ کتاب علی الناس

جس انداز سے پہلی آیت میں رسولِ پاکؐ کو خطاب خاص کر کے فرمایا کہ : کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ ـــ "یہ کتاب ہدایت اے نبیؐ! تم پر نازل گئی" ـــ اسی اسلوب میں تمام انسانوں کو خطاب عام کر کے فرمایا: اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ ـــ "اس کتاب کی اتباع کرو جو تم پر نازل کی گئی ہے!" ـــ کتابِ الٰہی کا نزول نبیؐ پر ہوا، تمام انسانوں پر نہیں ہوا۔ پھر یہ خطاب کیسا؟ ـــ دراصل اس پیرایہ میں دنیا کے تمام انسانوں کی تالیفِ قلب اور عزت افزائی مقصود ہے۔ اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ کتابِ الٰہی کا نزول صرف نبی و رسول ہی کی ذات پر ہوتا ہے، لیکن نبی اور رسول کے توسط سے کتابِ الٰہی تمام مخاطب انسانوں پر نازل ہوتی ہے۔ ایک نزول بلا واسطہ ہے اور دوسرا نزول بالواسطہ ہے۔ " لَا تَتَّبِعُوۡا " کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہ خطاب ایمان والوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جو لوگ ایمان لا چکے (امتِ اجابت) انہیں شرک سے روکنے کے کوئی معنی نہیں۔ جو لوگ مبتلائے شرک تھے اور اس وقت تک ہیں (جب قرآن کا ایک داعی آج بیسویں صدی کے آخر میں قرآن کا یہ پیغام سُنا رہا ہے) وہ تمام انسان اس پیغام کے مخاطَب ہیں۔

اسی سورۃ الاعراف کی آیت (۱۵۸) میں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ

d.com

مبارک سے خداوندِ عالم نے ان الفاظ میں حضورؐ کی رسالت عامہ کا اعلان کر دیا۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اے نبی! اعلان کر دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں، اُس خدا کا جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں قائم ہے۔

اس اعلان پر مشتمل متعدد آیات ہیں۔ سورۃ الاعراف کی تفسیر میں ابنِ کثیرؒ نے اس خطاب کو عام بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں: ثم قال تعالٰی مخاطباً للعالم (پھر خدا تعالٰی نے تمام عالم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا) قرآن کریم نے نوعِ انسانی کو خطاب کرتے ہوئے ان پر نزولِ کتاب کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ تالیفِ قلب اور مخاطب کی توجہ مبذول کرنے کی خاص حکمت رکھتا ہے اور اس میں ایک خاص زورِ تخاطب ہے۔

پوری نوعِ انسانی اور جملہ اقوامِ عالم کو مخاطب کر کے ان پر نزولِ کتاب کا اعلان اور بشارت دو مقام پر دی گئی ہے — ایک سورۃ الاعراف کی یہ آیت (۲) اور دوسری سورۃ الزمر کی آیت (۵۵)۔ آیت ماقبل (۵۴) میں خطاب "گناہ گار بندوں" سے شروع کیا گیا ہے: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا۔ پھر ان گناہ گاروں کو چار خطاب کیے گئے ہیں:

پہلا خطاب — لَا تَقْنَطُوْا (نا امید نہ ہو)

دوسرا خطاب — وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ (اپنے رب کی طرف لوٹو)

تیسرا خطاب — وَاَسْلِمُوْا لَہٗ (اس کی فرماں برداری کرو)

چوتھا خطاب —

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ

(اے میرے گناہ گار بندو!) اس بہترین کلام کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ پہنچے اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

فارسی اور اردو تراجم والے شروع سے دونوں آیتوں میں "اُنْزِلَ" کا ترجمہ "نازل کیا گیا" اور "اتارا گیا" کر رہے ہیں — سورۃ الاعراف کی دوسری آیت

© rasailojaraid.com

میں تمام انسانوں پر کتاب کے نزول کی تعبیر مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کھٹکی ہے اور مولانا نے پہلے تو اس آیت کے خطاب عام کو امت کے ساتھ خاص کیا ہے اور پھر پیدا ہونے والے شبہ کو دور کرنے کے لیے ترجمہ کا اسلوب بدل دیا ہے اور لکھا ہے :

(۱) یہ قرآن ایک کتاب ہے جو اللہ کی جانب سے آپ کے پاس اس لیے بھیجی گئی ہے ......

(۲) تم لوگ اس کتاب کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے ....

بدلنا تو دوسری آیت کے اسلوب ترجمہ کو تھا لیکن یکسانیت کے خیال سے پہلی آیت کے اسلوب کو بھی بدل دیا گیا۔ اہلِ ذوق سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے ساتھ لفظ "نزول" (اترنے) کا خاص تعلق ہے۔ یہ صاحبِ وحی تک وحی الٰہی پہنچنے کی صحیح صورت پیش کرتا ہے۔ نزول کے علاوہ دوسرا کوئی لفظ نہیں جو اس کی تصویر کشی کرے۔

سورۃ النحل (۴۴) میں ذکر (قرآن) کے "نزول" کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کی طرف بھی کی گئی ہے۔ اس میں بھی مولانا نے یہ ترجمہ کیا ہے :

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

اور آپؐ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے، ان کو آپؐ ان پر ظاہر کر دیں۔

حضرت تھانوی نے دوسرے نُزِّلَ کا ترجمہ بھیجنا کیا ہے اور پہلے (اَنْزَلْنَا) کا ترجمہ اتارنا کیا ہے۔

سورۃ البقرہ (۲۳۱) میں نزول کی نسبت ایمان والوں کی طرف کی گئی ہے۔ اوپر سے طلاق کے احکام چلے آ رہے ہیں۔ درمیان میں فرمایا :

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

حق تعالیٰ کی تم پر جو نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو، اور خصوصاً اس کتاب اور مضامین حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعے نصیحت فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔۔۔۔

حکمت اور نکتہ دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ مخاطب کے دل میں کتابِ الٰہی کی عظمت اور اہمیت قائم ہو کہ جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے ہم اس کی اتباع کیوں نہ کریں! حالانکہ عام انسان ہوں یا خاص ایمان والے دونوں کی طرف نزول بالواسطہ ہے بلاواسطہ نزول رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ہی ہے۔ پھر نہ جانے حضرت تھانویؒ کے ذہن میں اس مقام پر شبہ کیوں وارد نہیں ہوا! ویسے عام طور پر مولانا کے ترجمۂ قرآن میں "نزول" کا وہی ترجمہ (اترنا، نازل ہونا) ملتا ہے جو عام بزرگوں نے کیا ہے ــــــ سوائے اُن چند مقامات کے جن میں تانیسِ قلب کی حکمت کے تحت نزولِ کتاب کی نسبت لوگوں کی طرف کی گئی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ مرادِ خداوندی کے بہت بڑے عارف ہیں۔ کلامِ الٰہی کی فصاحت و بلاغت کے گہرے سمندر کی تہ میں بیٹھے ہوئے باریک سے باریک موتی کو شاہ صاحب باہر نکال کر لے آتے ہیں اور اہلِ علم کے سامنے پیش کر کے جوہر شناسی کی داد حاصل کرتے ہیں ــــ لیکن ان مقامات میں شاہ صاحب "نزول" کے لفظ کو اس کے لغوی مفہوم کے دائرے سے باہر نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ حق تعالیٰ کی مراد اسی لفظ کے لغوی مفہوم ہی سے ادا ہوتی ہے۔

اسلوب کیوں نہ بدلا؟

"نزول علی الامت" یا "علی الناس" کی تعبیر اگر مناسب نہ تھی تو قرآن کریم کے پاس دوسرے آسان اسلوب بھی موجود تھے۔ ایک یہ کہ "الیکم" کی جگہ "لکم" لایا جاتا یعنی یہ کتاب تمہارے فائدہ کے لیے نازل کی گئی ہے، جیسے قرآن نے نزولِ رزق کے لیے فرمایا ہے:

اَرَاَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ (یونس: ۵۹)

کیا تم لوگوں نے غور نہیں کیا کہ خدا نے تمہارے فائدہ کے لیے روزی نازل فرمائی۔

© rasailojaraid.com

اور نزولِ مطر کے لیے فرمایا:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ (النحل : ۱۰)

" اس نے آسمان سے تمہارے فائدہ کے لیے پانی نازل کیا۔"

دوسرے یہ کہ اگر قرآن بھیجنے اور قرآن آنے کی تعبیران آیات میں ضروری تھی تو قرآن کریم کے پاس اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے بھی الفاظ موجود تھے، جیسے فرمایا گیا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (المائدہ : ۱۵)

اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا ہے جو ایک روشن کتاب ہے

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الاعراف : ۶۳)

تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک ذکر آیا۔

جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ : ۸۹)

ان کے پاس اللہ کے پاس سے ایک کتاب آئی۔

کتاب کے ساتھ "بھیجنے" ("ارسال") کی تعبیر قرآن کریم میں کسی جگہ نہیں ملتی۔ "ارسال" اور "بھیجنے" کا لفظ رسولوں اور نبیوں کے لیے لایا گیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے قرآن کریم کے لیے بھی بھیجنے (ارسال) کی تعبیر استعمال کی ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے صحیح لکھا ہے کہ حضرت تھانوی 'بیان القرآن' میں ایک ایک لفظ تول کر لکھتے ہیں۔ اس لیے مذکورہ آیتوں میں "نزول" کے لغوی مفہوم کو چھوڑنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی اور وہ وجہ وہی ہو سکتی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

بقیہ : ڈاکٹر طاہر سعید کے نام

کے ساتھ رخصتی کا ایک آخری اور گرم جوش مصافحہ کر لیتا ہے — اور یوں اپنی کتابوں کی بے خدائیت اور ماحول کی منافقت کا ایک بھاری معاوضہ دے کر وہ نہ صرف خود معقولیت کی راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے بلکہ ع "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے" کے مصداق اپنی قوم کے دوسرے نوجوانوں کو بھی گمراہی اور ضلالت کی وادئ گم گشتہ میں بھٹکا دیتا ہے۔

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت — دے اُن کو سبق خود شکنی، خود نگری کا